© rasailojaraid.com

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

قرآن مجید سے کیا ہدایت میسّر آتی ہے؟

قرآن مجید کی روشنی میں کائناتی قانون، اخلاقی قانون اور تاریخی قانون

جب ہم قرآن حکیم سے اپنی زندگی کے مسائل کے سلسلے میں ہدایت اخذ کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے پیشِ نظر یہ ہوتا ہے کہ جو نصب العین ہمارے سامنے قرآن مجید نے رکھا ہے اور ہماری زندگی میں اس نصب العین کے حصول کا تقاضا پایا جاتا ہے ۔ وہ نصب العین کسی جدوجہد سے بھی صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب کائنات کی بناوٹ اور ساخت ایسی ہو جو اس نصب العین کے حاصل ہونے کی جدوجہد میں ہماری کامیابی کے ساتھ سازگار ہو اور قرآن مجید کا یہی موقف ہے ۔ اگر سازگار نہ ہو تو نصب العین کبھی حاصل نہیں ہو سکتا اور اس کے سازگار ہونے کی شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو ایک ہی مقصد کے لیے پیدا کیا ہے کہ بعثت بھی اسی مقصود کے حصول کے لیے ہوئی ہے اور نزولِ قرآن کی غایت یہی ہے کہ بعثت کا مقصود حاصل ہو کر رہے ۔ اِس کائنات کا اپنی بناوٹ اور ساخت سازگار ہونا تب ہی ممکن ہو گا جب ہم اس نصب العین کو جس کا تقاضا ہماری فطرت میں بھی موجود ہے قرآن مجید کی ہدایت سے اور اس ہی مقصود کے حاصل کرنے میں ہمارا کمال مضمر ہو ۔ اس کے لیے ہم صرف اسی صورت میں جدوجہد کر سکیں گے جب جدوجہد سے پہلے ہمیں اس کے حاصل ہونے کا یقین ہو اس کی شرط یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہو کہ کائناتی سطح پر کوئی قانون ہے جو نتائج کو متعین کر رہا ہے ۔ اس طرح تجرباتی شہادت سے پہلے بھی ایک گونہ یقین حاصل ہو گا اور تجربے اور مشاہدے سے اس نتیجہ کے حاصل ہونے کی شہادت بھی ہم پہنچے گی ۔ جو کائناتی قانون قرآن مجید کی زبان میں تو ربوبیّت کا قانون ہے اور سائنس کی زبان میں ارتقاء یا نشوونما کا قانون ہے ۔ ربوبیت کے قانون سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رب ہے ، ایسی ذات جو تدریج ہر مخلوق کو اس کی مناسبت سے اسی کی تربیت کرتی رہے اور کمال پر پہنچا دے تو ایسا قانون جسے مذہب کی زبان میں ربوبیت کا قانون کہا جاتا ہے اور سائنس کی زبان میں ارتقا یا نشوونما کا قانون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہا جائے تضاد کا قانون ہے۔ اگر ہم سائنس کی طرف سے چلیں تو ہمارے حیطۂ ادراک کے اندر جو مسائل ہیں ان کے اعتبار سے غور کریں تو ہم یہ پائیں گے کہ ارتقاء یا نشوونما کا تصور ہمارے سامنے سب سے پہلے ایک وجود نامی کے حوالے سے آتا ہے۔ آپ ایک بیج کیاری کے اندر ڈالتے ہیں وہ بیج سب طرف سے گھر جاتا ہے پھر وہ پھوٹتا ہے اور بتدریج بڑھتا ہے یہاں تک کہ اس کے سارے امکانات بروئے کار آجائیں اور وہ اپنے ہی جیسا درخت پیدا کرنے کی حیثیت میں آجائے کیونکہ وجود نامی کی خاصیت یہ ہے کہ ایک تو اس میں انفرادیت پائی جاتی ہے دوسرے از خود حرکت پائی جاتی ہے، تیسرے اس کے اندر انجذاب کی صفت پائی جاتی ہے۔ چوتھے اس میں یہ صفت ہے کہ کل سے جز اور جز سے کل پیدا کرتا ہے۔ مثلاً اگر آپ کسی درخت کی چھال چھیل دیں تو کچھ عرصے کے بعد وہ چھال پیدا ہو جاتی ہے اور شاخ کاٹیں تو شاخ پیدا ہو جاتی ہے اور پتا توڑیں تو پتا پیدا ہو جاتا ہے اور جیسا درخت جو اس کے بیج سے پیدا ہوتا ہے اس درخت کا ایک حصہ ہے۔ یہ تمام خاصیتیں از خود حرکت، انجذاب PRODUCTION اور دوبارہ انجذاب RE-PRODUCTION ایک مقصد کے تحت ہے اور ارتقاء اس کا نام ہے کہ ہر وجود نامی تدریجاً اپنے مقصد کے قریب تر ہوتا جائے اگرچہ اس ارتقاء کا شعور، نمو کی سطح پر اس میں موجود نہیں ہوتا۔ ماحول کی طرف سے وجود نامی کی نشوونما کی راہ میں جو مزاحمت پیدا ہوتی ہے وہ مزاحمت کی مزاحمت سے نشوونما پاتا ہے اور مزاحمت کا ہونا خوابیدہ تقاضے کو بیدار کرتا ہے اس سے مزاحمت کی مزاحمت وجود میں آتی ہے اور یہ مزاحمت نشوونما کے لئے ایک سازگار شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمارے عام مشاہدے میں بھی یہ بات آتی ہے اور اگر قرآن مجید کے اوپر غور کریں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اس کے کمال پر فائز کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا جو نظام بنایا ہے اس میں بھی تضاد کا قانون اس کے نشوونما کی شرط کے طور پر رکھا ہے کہ آدم کے بالمقابل ابلیس کا وجود ہے جو مزاحمت پیدا کرتا ہے اور حضرت آدم کی لغزش کے سلسلے میں قرآن مجید کے سولہویں پارے میں یہ نشاندہی کی ہے کہ عزم کی کمی کی وجہ سے لغزش ہوئی اور ایک دفعہ ہونے کے بعد دوبارہ نہیں ہوئی تو کسی مزاحمت یا اپوزیشن کا موجود ہونا نشوونما کے لئے ایک سازگار شرط کی حیثیت رکھتا ہے اور اب انسان کے بالمقابل شیطان ہے اور ہر پیغمبر کی نسبت قرآن مجید میں کہا ہے کہ جعلنا لکل نبی عدوا من المجرمین ۝ ہم نے ہر پیغمبر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے راستے میں سے ایک دشمن پیدا کر دیا ہے اگر پیغمبر کی مخالفت ایک مفاد پرست مجرم کی طرف سے پیغمبر کے مقاصد کو پانے کے لئے ضروری نہ ہوتی تو ان کے رستے میں یہ مشکل پیدا نہ کی گئی ہوتی یہ کائناتی قانون جو ہے تضاد کا قانون ہے اور کائناتی نظامِ تکوین میں ودیعت کیا گیا ہے اور ہر نشوونما تضاد کے قانون کے تحت ہو رہی ہے۔ یہی قانون تاریخی سطح پر نتائج پیدا کر رہا ہے اور اگر اسے قانون کی شکل میں بیان کرنا چاہیں تو یہ ہوگا کہ دو گروہ ہوں اُن کے دو مقاصد ہوں، ان کے پیچھے دو وفاداریاں ہوں، ان کے پیچھے دو منظم ارادے ہوں، ان کے ارادوں کے درمیان تصادم ہو، اس تصادم کو کامیاب بنانے کے لئے دو پروگرام ہوں ایک مزعومہ مفادات کو توڑ کر نفع بخشی کا دوسرا مزعومہ مفادات کی حفاظت اور نشوونما کو روکنے کا۔ قرآن مجید ان دو گروہوں کو حزب اللہ حزب شیطان، اہل جنۃ اور اہل النار، اصحاب حق اور اصحاب باطل، اصحاب یمین اور اصحاب شمال، اور اصحاب میمنۃ اور اصحاب مشئمۃ اور خیر البریہ اور شر البریہ کے ناموں اور صفتوں سے ظاہر فرماتا ہے یہ قانون، تاریخی سطح پر جو نتائج پیدا کر رہا ہے اس کے پیدا ہونے کی شرط یہ ہے کہ تضاد کے اندر التباس پیدا نہ ہونے پائے تب ہی اس تضاد سے صحیح قسم کے نتائج پیدا ہوں گے۔ اور اگر متضاد قسم کے تضاد پیدا کر کے کہیں زندگی کے کسی پہلو میں تضاد ہو اور کسی پہلو میں تضاد نہ ہو سازگاری ہو تو اس طرح التباس CONFUSION اور تعطل پیدا ہوگا وہ نشوونما کی راہ روکے گا جس کی وجہ مقصود کا متعین نہ ہونا ہوگا۔ اور مقصود کے متعین نہ ہونے کی وجہ سے مفاد پرست لوگوں کے ردّ عمل کچھ اور پیدا ہوں گے اور جو تضاد ضروری ہے وہ اس طرح نمایاں نہیں ہو سکے گا اور زندگی التباس کا شکار رہے گی اور جدوجہد کی سمت متعین نہیں ہونے پائے گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ کوئی خاص تضاد ایسا ہو جس میں تحریک پیدا کرنے کی ضمانت ہو کہ ان دو گروہوں کے سلسلہ میں اس سے وفاداریاں متعین ہوں گروہ منضبط ہوں اور تصادم فیصلہ کن ہو۔ اب یہ قانون تاریخی قانون پیغمبرانہ قیادت کے عطا کردہ اخلاقی قانون پر عمل کرنے کے لئے ایک محرک کی حیثیت رکھتا ہے وہ اخلاقی قانون ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔ "ھا" کی ضمیر نفس کی طرف ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا یعنی حرص و لالچ سے پاک کیا اور جب نفس حرص و لالچ سے پاک ہو جائے تو وہ نشوونما کا راستہ کھولتا اور نفع بخشی پیدا کرتا ہے اور اس کے عمل سے فیض رسانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا وجود میں آنا ضروری ہے اس کا نتیجہ نکل کر رہتا ہے ٹل نہیں سکتا اور اگر مزعومہ مفاد غالب ہو اور نفس حرص و لالچ سے پاک نہ ہو تو وہ تخلیقی جدوجہد میں تعطل پیدا کرتا ہے اور مفاد پرستانہ تخریب میں نفس منہمک رہتا ہے۔ اگر اس اخلاقی قانون کو سامنے رکھیں اور یہ دیکھیں کہ نوع انسانی کی پوری تاریخ میں صرف اس اخلاقی قانون کی خلاف ورزی سے قوموں اور تہذیبوں کا زوال ہوا اور اس کے اتباع سے انہیں عروج حاصل ہوا اور اس پر عمل کرنے کے لئے جو استقامت درکار ہے اس کا محرک وہ تاریخی قانون ہے کہ وہ متضاد وفاداریاں رکھنے والے گروپ پیدا ہوں، اور ان کے درمیان کش مکش ہو، تصادم ہو تو اس کی خاطر خیر کی جدوجہد میں استقامت نصیب ہو گی اور اس کے بغیر استقامت ناممکن ہے۔ اب اگر ہم نے اپنے غور و فکر کے انداز میں نیکی کو ایک واعظ کے طور پر ہمیشہ پیش کیا ہو اور کائناتی قانون اور تاریخی قانون کے ساتھ اس اخلاقی قانون کا اس قدر گہرا تعلق کہ اس کے حوالے کے بغیر اس سے نتائج پیدا نہیں ہو سکتے اگر ہم نے اس سے صرف صرفِ نظر کر لی ہو تو پھر ہمارا یہ اعتماد مضمحل ہو جائے گا کہ اخلاقی جدوجہد میں کامیابی حاصل ہونے کی کوئی ضمانت بھی ہے؟ اور دین کی حیثیت صرف ایک فقہی ضابطے کی رہ جائے گی اور ذمہ داری تلقین کرنے والوں کو اپنی ذمہ داری اتنی ہی محسوس ہو گی کہ اگر کسی نے اس کے اوپر عمل کیا تو اس سے نتیجہ پیدا ہو گا اور اگر نہیں کیا تو نتیجہ نہیں پیدا ہو گا۔ لیکن اتنی بے تعلقی کا انداز انبیاء کی جدوجہد میں نہیں پایا جاتا بلکہ انہیں تو اللہ پاک کی طرف سے اس بات کی تسکین اور تسلی دی جاتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ "تم اپنے آپ کو اس میں ہلاک نہ کرو" کہ تمہاری جدوجہد سے نتائج پیدا نہیں ہو رہے۔ انبیاء کا طریقہ کار تو یہ ہے کہ انہیں اس میں انتہائی شغف ہے اور وہ آپ کو احساس میں اس ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں سمجھتے کہ جب ایک چیز بیان کر دی تو جس کا جی چاہے اس پر عمل کرے اور جس کا جی نہ چاہے عمل نہ کرے۔ ہم نے جو یہ لفظ زاویہ نگاہ اختیار کیا ہے اس وجہ سے کیا ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو فقہی اور مراسم پرستی کے زاویہ نگاہ کے تابع تصور کیا ہے اور دین کی تکمیل کو فقہ کی تکمیل میں مضمر سمجھا ہے۔ فقہ انسانی ذہن کا تراشیدہ ہے اگر اسے قرآن مجید کا بدل SUBSTITUTE قرار دے دیا جائے اور اس کے بعد اس سے نتائج پیدا نہ ہوں اور پھر جن کی زندگی میں اس سے نتائج پیدا نہ ہوں ان کو یہ کہا جائے گا کہ یہ لوگ تو مسلمان ہی نہیں یہ اس ضابطے پر عمل ہی کب کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں اس کے اوپر عمل کرتے تو نتیجہ پیدا ہوتا یہ بے الفاظی کی بات ہے۔ درا صل ہمارا تکمیلِ دین کا تصور مسخ ہو گیا ہے ہم نے احکام فقہیہ کے EXHAUSTIVE CODE سمجھا ہے حالانکہ وہ فقہی اس کی تکمیل کر رہا ہے قرآن نہیں کر رہا ہے۔ قرآن جس مرحلے پر تکمیلِ دین کا دعویٰ کر رہا ہے تکمیل دین کا دعویٰ کرنے والے تو صرف اس چوتھائی آیت کے حوالے بیان کرتے ہیں اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ اور اس کے آگے نہ پیچھے کچھ بھی نہیں کہنا چاہتے کہ تکمیل کس چیز کا نام ہے کس بات سے تکمیل ہو گی اور سورۃ مائدہ کی آیتوں میں جہاں پہلے ایک دو چیزوں کے حرام، حلال ہونے کا ذکر ہے بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے دین کی تکمیل ہو گئی کہ مردے کا گوشت سؤر کا گوشت اور خون حرام ہے حلال نہیں حالانکہ اگر اس سے پہلے ایک ٹکڑا ہے اس پر غور کریں وہ یہ ہے اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ آج کے دن وہ لوگ مایوس ہو گئے جنہوں نے تمہارے دین سے انکار کیا اگر یہ سمجھ میں نہ آئے کہ کفار کی مایوسی کس لئے ہے تو تکمیلِ دین کا مفہوم ہرگز سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ کفار کو مایوسی اس لئے ہوئی ہے کہ قرآن کا یہ چیلنج هُوَ الَّذِىْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ پورا ہو گیا اور کفار کو مایوسی یہ ہے کہ اب اسلام مغلوب نہیں ہو سکتا ہے وہ غالب نہیں آ سکتے۔ یہ مایوسی حرام اور حلال کے متعین ہونے سے پیدا نہیں ہوئی یہ کائناتی، تاریخی اور اخلاقی قانون کے ربط کو ہمارے سمجھنے سے کافروں میں پیدا ہو سکتی ہے بشرطیکہ ہم یہ سمجھ سکیں نئی بعثت کے احتیاج سے نوعِ انسانی کو بے نیاز کر دیا گیا ہے۔ اگر ہم ان تینوں قوانین پر عمل کریں گے تو زندگی اگر زوال پذیر بھی ہو جائے تو نئی بعثت کی احتیاج نہیں رہے گی۔ قرآن مجید ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع و نفوذ سے تمام پسندیدہ نتائج کے پیدا کرنے میں موثر ہو گا۔ تکمیلِ دین کا مفہوم ہم نے یہ سمجھا ہے کہ چند مابعد الطبیعی عقائد، چند اخلاقی اسباق چند تمدنی ضوابط اور چند عدالتی قوانین اور چند رسوم و قواعد کا نام دین کامل ہے۔ یہ نقطۂ نظر قرآن مجید کو صرف اس آیت کے زاویۂ نگاہ سے سمجھنے کا نتیجہ ہے اِلَّا ذِكْرًا لِلْعٰلَمِيْنَ اور اس دعوے سے غافل ہونے کا نتیجہ ہے "اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ" بین الاقوامی سطح پر ہمارے انحلال نے آج کافروں کو نہیں ان کو مایوسی میں مبتلا کیا ہے جن کے غلبے کے بعد کافر اپنے غلبے سے مایوس ہو گئے تھے۔ تمام دشواری یہ بات نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے کہ ہم وحی قرآنی سے کن مسائل کا حل تلاش کریں اور کیونکر؟ اور منفعدی غایت نزول پر ذہن کے انعکاس کا انحصار ہو جانے کی وجہ سے ہے۔

© rasailojaraid.com